مکتوب دہلی

از جناب خان غازی کابلی

جگ بیتی اور آپ بیتی

اکابر احرار، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا احمد علی لاہوری

بزرگانِ احرار اور مسٹر جناح "الحق" ار مئی کے شمارے میں مولانا عبد اللہ صاحب خطیب جامع مسجد حاصل پور ضلع بہاولپور کا مضمون "امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور تحریک پاکستان"۔ شوق کی نگاہوں سے بار بار پڑھا اور دیدۂ دل کو روشن کیا۔ " ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے " کا لطف اٹھایا۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ "مجلسِ احرار کے قلندر" قسم کے بیباک رہنماؤں نے کبھی بھی مسٹر جناح سے ملنے کی خواہش و کوشش نہیں کی تھی۔ مضمون میں سید بخاری کی جن تقریروں کے حوالے دئے گئے ہیں اور ان میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے ان میں بہت سی باتیں "زیبِ داستان" کے طور پر ہیں۔ تقسیم وطن سے قبل غالباً ۱۹۳۶ء میں لاہور کے فلیٹی ہوٹل میں مولانا مظہر علی اظہر کی میری موجودگی میں مسٹر جناح سے ایک ملاقات ہوئی تھی ان کی خواہش و دعوت پر۔ اس ملاقات میں مسٹر جناح نے مولانا مظہر علی اظہر سے فرمایا تھا کہ "مجھے پنجاب میں صرف آپ کی ضرورت ہے اور کسی کی نہیں" اس پر مولانا مظہر علی اظہر نے جواب دیا تھا کہ "میں اپنے احرار ساتھیوں کو کسی حالت میں بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں" اس پر مایوس ہو کر مسٹر جناح نے مسٹر برکت علی اور دوسرے لوگوں کو اپنا ساتھی بنایا۔ یہ ملاقات ۱۹۳۶ء کے آئین کے تحت جو انتخابات ہونے والے تھے جس کے لئے مسلم لیگ اور دوسری ترقی پسند جماعتوں نے "مسلم یونٹی پارلیمنٹری بورڈ" کے نمائندوں نے حمایت کی تھی۔ اور مولانا مظہر علی اظہر، خان غازی کابلی۔ غازی متے خان لکھنوی، سید علی ظہیر، چوہدری خلیق الزمان مولانا عزیز احمد خان آف بریلی اور خان بہادر مقصود علی خان آف کیلاش پور ضلع سہارنپور کے لئے دورے کئے۔ اور ان کی حمایت میں تقریریں کی تھیں۔

لیکن تقسیم وطن اور قیام پاکستان کے بعد جب ۱۹۵۳ء میں "تحفظ ختم نبوت" کی تحریک شروع ہوئی تب مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے جسٹس منیر نے برسرِ عدالت دریافت کیا تھا کہ

کیا آپ نے "قائدِ اعظم" کو "کافر اعظم" کہا تھا۔ تو سید بخاری نے جواب میں فرمایا کہ مولانا مظہر علی اظہر نے کہا تھا۔ اس پر مولانا مظہر علی اظہر کو بطور گواہ طلب کیا گیا تھا اور مولانا نے جرأت کے ساتھ حق گوئی اور بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ ہاں میں نے کہا تھا اور ایک لاکھ کے اجتماع میں کہا تھا ؎

اک کافرہ عورت کے لئے دین کو چھوڑا
یہ قائدِ اعظم ہے کہ ہے کافرِ اعظم

اس پر جسٹس منیر نے کہا کہ مولانا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ بانی پاکستان کو "کافر اعظم" کہنا تو قتل کو دعوت دینا ہے مولانا مظہر علی اظہر نے جواب دیا کہ جب میں نے ۱۹۴۶ء میں دہلی دروازہ لاہور کے ایک لاکھ کے اجتماع میں مندرجہ بالا یہ شعر پڑھا تھا تو اس وقت بھی بعض لوگوں نے یہی بات کہی تھی جو آپ کہہ رہے ہیں۔ میں نے اس وقت جواب میں جو کہا تھا وہ آج بھی کہتا ہوں کہ

"قتل کرنے والے ہاتھوں سے بچانے والے ہاتھ زیادہ مضبوط ہیں"

جسٹس منیر کی رپورٹ میں شاید اس کا ذکر اشارۃً یا کسی رنگ میں ہو۔

احرار کو اپنی شکست کا اعتراف | یہ سچ اور صحیح ہے کہ قیام پاکستان کے بعد احرار نے نہایت حوصلہ کے ساتھ اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے "پاکستان" کو ایک حقیقت تسلیم کر لیا تھا اور بعض تیسرے درجے کے "پنساری" اور "ٹین گرو مین ساز" قسم کے احراریوں نے لیگیوں اور پرانے سامراجی مشینوں کے پرزوں کے ساتھ تعلقات بھی استوار کر لئے تھے لیکن پاکستان کو تسلیم کرنے کے باوجود سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے کبھی لیگی قیادت کو تسلیم نہیں کیا اور مرتے دم تک بلبلِ ریاضِ رسول بن کر چہکتے رہے اور قرآن سے عشق فرماتے رہے اور مولانا مظہر علی اظہر نے راقم (خان غازی کابلی) سے کہا تھا کہ ہمارا مقصد انگریز کو نکالنا تھا وہ نکل گیا اور اب جو سیاست ہوگی وہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور "کتے خصی" کرنے کے سوا کچھ نہ ہوگی۔ اس لئے میں اب وکالت کروں گا اور سیاست وہ لوگ کریں جن کا پیشہ ہی سیاست ہے۔ اور اقتداروں کی تاروں پر رقص کرنا جانتے ہوں میرا مزاج تو اس کے برعکس کچھ اور رہی ہے ؎

عشق و آزادی ہی پیشہ ہے ہمارا مظہر
ہم کو سرکاروں سے مطلب ہے نہ درباروں سے

مندرجہ بالا شعر اختر شیرانی کا ہے اور مقطع میں "اختر" کی جگہ "مظہر" کو میں نے فٹ کیا ہے جس کے لئے اختر کی روح سے معذرت خواہ ہوں۔

خان عبدالقیوم خان کی صدارت کا قصہ | مولانا عبداللہ صاحب حاصل پوری نے اپنے مضمون میں جس جلسہ اور

نوجوان یونس کا ذکر کیا ہے۔ وہ جلسہ موچی دروازے میں نہیں بلکہ بیرون دہلی دروازہ متصل درگاہ شاہ محمد غوث لاہور میں ہوا تھا۔ اور یہ جشن حریت طلبِ مسلم طلبا کی انجمن کی طرف سے بلوایا گیا تھا۔ اس کے صدر صوفی اللہ داد خاں نیازی آف عیسیٰ خیل کے بھتیجے امان اللہ خاں نیازی تھے جو میرے عزیز ترین دوستوں میں سے تھے۔ اور اس انجمن کی صدارت میں انہوں نے میری محبت کی وجہ سے قبول کی تھی اس انجمن کی صدارت میں انہوں نے میری وجہ سے قبول کی تھی۔ اس انجمن کے دوسرے کارکنوں میں مولانا مظہر علی اظہر کے بڑے صاحبزادے جناب قیصر مصطفےٰ چوہدری فیض اللہ خان آف قلعہ گوجر سنگھ لاہور وغیرہ تھے۔ مسٹر یونس کی حیثیت اس زمانے میں ایک ایسی گمشدہ گائے کی سی تھی جو ہر کلان پر منہ مارتی ہے اور ڈنڈے کھاتی ہے" اس کے علاوہ ہر نوجوان کا تعلق مسلم طلبا کی اس انجمن سے بھی تھا جس کے سرکردہ اراکین مولانا عبدالستار نیازی۔ ڈاکٹر عبدالسلام (خلف مولانا عبدالمجید سالک) اور حمید نظامی وغیرہ ہوا کرتے تھے جلسہ یا کانفرنس کی صدارت کے لئے میری ہی تجویز پر خان عبدالقیوم خاں کی صدارت کا فیصلہ ہوا تھا۔ اور میں امان اللہ خاں نیازی کو لے کر پشاور گیا تھا۔ اور ہم نے پشاور میں مولانا عبدالقیوم پوپلزئی کے ہاں قیام تھا۔ اس زمانے میں خان عبدالقیوم خان مرکزی آئین اسمبلی میں کانگریس کے ڈپٹی لیڈر ہوا کرتے تھے اس جلسہ میں حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر پاکستان یا مسلم لیگ سے متعلق نہ تھی۔ بلکہ ایک نوجوان کے خلاف تھی۔ اور اس میں حضرت شاہ صاحب نے تمام غصہ چوہدری افضل حق اور میرے خلاف اتارا تھا اور فرمایا تھا کہ میں ایسے بدزبانوں کو مجلس احرار میں برداشت نہیں کر سکتا۔ جو کل تک احرار کو گالیاں دے کر قادیانیوں اور احرار کے دشمنوں کو خوش کرتے تھے۔ اور آج مجلس احرار میں آکر مولانا ظفر علی خان کو گالیاں دے کر احرار کو خوش کرنے کی نامسعود اور مذموم کوشش کرتے ہیں۔ یہ نوجوان میری محبت کے صدقے میں نیلی پوشوں سے کٹ کر تازہ بتازہ "رونق ہنگامۂ احرار" ہوئے تھے۔ اور میں اسے اپنا بڑا کارنامہ تصور کرتا تھا مختصر یہ کہ کچھ دنوں کے بعد سید بخاری کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اسے میری اور چوہدری افضل حق کی سفارش پر شاہ صاحب نے اس شرط کے ساتھ معاف کر دیا تھا کہ وہ آئندہ بدزبانی اور دشنام طرازی سے کام نہیں لیا کریں گے اور آخر کار یہ نوجوان تقسیم وطن کے بعد احرار سے کٹ کر پاکستان کے مشہور صحافی بن گئے۔ اور اب مرحوم ہو چکے ہیں مسٹر یونس کے جس مضمون کا کٹنگ مولانا عبداللہ نے اپنے مضمون میں پیش کیا ہے وہ تقریر حضرت شاہ صاحب کی نہیں ہے بلکہ مسٹر یونس کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ اگر آج حضرت شاہ صاحب بقید حیات ہوتے تو اس کی ضرور تردید کرتے۔

علامہ سید انور شاہ مظفر آبادی کشمیر خاص میں ایک خطے کا نام "وادی لولاب" ہے۔ اور اس کے پہلو میں دوسرا خطہ جس میں زیادہ پشتو بولنے والے پختون آباد ہیں اس کا نام "وادی نیلم" یا "وادی نیلاب" ہے۔ جس کا بڑا شہر مظفر آباد ہے جو اب آزاد کشمیر کا صدر مقام ہے اس خطے میں عرصہ دراز سے

حضرت "مسعود بابا" کے خاندان کی ایک شاخ آباد ہے جن کے ناموں کے ساتھ مسعودی لکھا جاتا ہے۔ جس کے ایک روشن چراغ حضرت مولانا سید انور شاہ مسعودی ہیں اور دوسرے مولانا سید محمد سعید مسعودی ہیں۔ جو آج بھی بقید حیات ہیں۔ اور گاندربل میں سکونت رکھتے ہیں۔

مولانا سید انور شاہ کی ولادت موضع "لوات" ضلع مظفرآباد وادی نیلم میں ہوئی ہے اور ابتدائی تعلیم انہوں نے کاکول ضلع ہزارہ میں پختون عالم مولانا فضل الدین سے کی تھی۔ دیوبند کے دارالعلوم کے داخلے کے رجسٹر میں ان کے نام کے ساتھ "مظفرآبادی" کی نسبت درج موجود ہے۔ ان کی صاحب زادی کی شادی بھی بجنور کے ایک پٹھان خاندان کے مولوی احمد رضا خان سے ہوئی ہے۔ ان حقائق کی موجودگی میں حیرت کی بات ہے کہ مولانا سید انور شاہ کے نام کے ساتھ "کشمیری" کی نسبت کب اور کیسے ہوئی؟ یہ کہنا کہ ان کے بزرگ "وادی لولاب" کشمیر کے تھے اس لئے علامہ سید انور کشمیری ہیں یہ باتیں کافی نہیں؟

مولانا سعید مسعودی اور مولانا احمد علی لاہوری

"وادی نیلم" یا "وادی نیلاب" کے مسعودیوں میں مولانا سید انور شاہ مسعودی مظفرآبادی کے علاوہ ایک اور مشہور قومی شخصیت مولانا سعید محمد سعید مسعودی کی ہے جو ہندوستان کی پہلی پارلیمنٹ کے ممبر رہ چکے ہیں اور ان دنوں گاندربل کشمیر میں سکونت رکھتے ہیں اور اس وقت کشمیر میں جنتا پارٹی کے [illegible] انہوں نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بارے میں ذیل کا بیان عنایت فرمایا ہے:

۷۸۶

بزرگ محترم اور مجاہد آزادی خان غازی کابلی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

۱۔ ۱۹۲۰ء میں جب لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آیا تو ان دنوں عربی کی تعلیم کے لئے لاہور میں "دارالعلوم نعمانیہ" کے نام سے ایک مشہور مدرسہ تھا جس میں داخلہ لے لیا لیکن تجربہ کے بعد احساس ہوا کہ ہم ایک ذہنی قیدخانہ میں پھنس گئے ہیں۔ مدرسہ کے چند ایک بزرگ منتظم تھے جو شدید قسم کی بریلویت کا شکار تھے۔ ان دنوں دارالعلوم نعمانیہ میں صدر مدرس مولانا غلام مرشد صاحب تھے اور مدرس دوم مولانا شاہ رسول صاحب ہزاروی تھے۔ ۱۹۲۳ء تک تنگ نظری کے ماحول میں جوں توں کرکے وقت کاٹا اس کے نعمانیہ سے اورنٹیل کالج میں داخلہ لے لیا جس میں مولانا نجم الدین صاحب سینیئر پروفیسر تھے۔ جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگردوں میں سے تھے۔ اور مہر سید طلحہ ٹونکی تھے جنہوں نے مولانا سید انور شاہ کشمیری سے فیض حاصل کیا تھا۔ ادب کے استاد مولانا عبدالعزیز میمن راج کوٹی تھے۔ جن کی وسیع المشرب مسلمات میں سے تھی۔ یہاں ذہنی آزادی کی جو فضا

میسر ہوئی تو متذکرہ بالا بزرگوں کے مشورے سے شیرانوالہ کا رخ لگے۔ جہاں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درسِ قرآن اور خطبات جمعہ سے فائدہ اٹھایا اور یہ سلسلہ ۱۹۲۵ء تک جاری رہا۔ چونکہ ۱۹۲۴ء میں اورنٹیل کالج سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ اس لئے ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۵ء تک میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے بنا کردہ مدرسہ قاسم العلوم میں فیض حاصل کرنے کچھ زیادہ ہی مواقع ملے ان دنوں اس مدرسہ میں ایک دیوبندی فاضل مولانا شمس الحق افغانی حدیث کا درس دیتے تھے اور سنن ابن ماجہ پڑھاتے تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری کے درس قرآن سے جو وقت بچ جاتا تھا وہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی سے فیض حاصل کرنے میں صرف ہو جایا کرتا تھا۔ لاہور کے اس زمانے پر پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ مفصل اور جزوی واقعات کی یادیں ذہن سے اتر گئی ہیں۔ اتنا ہی یاد پڑتا ہے کہ مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درس قرآن کی وجہ سے شہر کے مختلف طبقات میں قرآن پاک کی اہمیت کا ایک احساس پیدا ہو گیا تھا جو اس سے پہلے نایاب تھا مولانا کا درسِ قرآن عربی دانوں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں اور بقدرِ ذوق ہر طبقے میں مقبول تھا۔ اور مولانا احمد علی کی کوششوں کا یہ تاثر پیدا ہوا کہ مولانا غلام مرشد صاحب نے مسجد اندرون بھاٹی دروازہ لاہور میں اور مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب نے مسجد وزیر خان میں اور اس طرح کئی دوسرے علماء جو مختلف مدرسۂ خیال سے رکھتے تھے اپنے یہاں مسجدوں میں درس قرآن دینے لگے۔ درس قرآن کا یہ رواج لاہور کی خصوصیات بن کر رہ گیا تھا۔ لیکن اس کا سہرا ہر مکتب خیال کے لوگوں نے مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے سر ہی باندھا تھا۔

فرسودہ۔ محمد سعید مسعودی گاندربل کشمیر

بقلم اسد رضا خان۔ نواسۂ علامہ انور شاہ کشمیری

۱۶ مئی بمقام ۳۰ سی اردن روڈ۔ دہلی

اسعد رضا خان علامہ انور شاہ مظفر آبادی عرف علامہ کشمیری کے نواسہ ہیں اور مولانا احمد رضا خان بجنوری سب سے چھوٹے فرزند ہیں۔

چوہدری محمد شفیع میرپوری کا بیان

چوہدری محمد شفیع بی اے میرپوری سابق ممبر بھارت پارلیمنٹ میرے خط کے جواب میں لکھتے ہیں:-

"خان عالی شان" میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے سلسلے میں مجھے یاد فرمایا ہے جواب میں مختصر طور پر عرض ہے کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری کا درس قرآن نہایت ہی بصیرت افروز ہوا کرتا تھا اور علاوہ ترجمہ کے جب وہ کسی آیت کی تفسیر کیا کرتے تھے تو نہایت ہی ایمان افروز نکات بیان کیا کرتے تھے۔ اور دین و دنیا دونوں کے مسائل ایسے دل آویز پیرائے میں بیان کرتے کہ سننے والے عش عش کرتے تھے

میں نے ان کے درس قرآن کے مخالفوں اور عقیدت مندوں دونوں کو دیکھا ہے سب کو یہ کہتے سنا ہے کہ مولانا احمد علی لاہوری کا درس قرآن گمراہوں کو صراطِ مستقیم دکھاتا ہے اور اہل ایمان کی ترقی کا باعث ہوا کرتا ہے میں نے آزادی اور مذہب کا عشق ان کے درس قرآن سے حاصل کیا ہے۔ خدا جانے ان کے بعد ان کے میر کاروان اور شاگردوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا ہے یا اب ان کی وفات کے ساتھ ختم ہو گیا ہے اگر ختم ہو گیا تو یہ بے حد افسوس اور شرم کی بات ہے۔ میں جب کبھی میرپور سے لاہور بزرگان احرار سے ملنے جایا کرتا تھا۔ تو شیرانوالہ دروازہ میں جا کر حضرت مولانا احمد علی صاحب کے درس میں ضرور شریک ہوا کرتا تھا۔ اور میں نے بچشم خود ان کے درس قرآن میں ہر دیار اور شہر کے تشنگانِ علم دین کو بیٹھے دیکھا ہے۔

آپ کا محمد شفیع۔ جامع مسجد پارلیمنٹ نئی دہلی ۱۹ر مئی ۱۹۷۸ء

آخر میں عرض ہے کہ حضرت مولانا شیخ الحدیث عبدالحق صاحب قبلہ سے ملاقات ہو تو میرے لئے دعا کی درخواست کیجئے۔ اور سمیع الحق صاحب حقانی سے بھی کہئے کہ وہ میری گستاخیوں کی پرواہ نہ کریں بلکہ اپنی محبت کا خیال کر کے میرے لئے دعا کریں۔ اسی طرح اگر ممکن ہو تو بوالیسی حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی۔ مولانا لطف اللہ صاحب آف جہانگیرہ۔ مولانا عبدالقیوم پوپلزئی۔ مولانا عبدالحئی صاحب آف توروڈھیر کے حالات سے مطلع فرمایئے اور لکھئے کہ ع "کس حال میں ہیں یارانِ وطن" سب دوست بہت یاد آتے ہیں۔ زیادہ والسلام

بقیہ از صفحہ ۴۸

احمد شاہ ابدالی کی جواب طلبی

تمپ پر حملہ کرتے وقت ملک دینار نے اپنے بھائی میر شاہ بیگ کو احمد شاہ ابدالی کے پاس فریادی قندھار بھجوا دیا تھا۔ اس پر میر نصیر خان سے جواب طلبی ہوئی۔ اگرچہ میر نصیر خان وقتی طور پر قلات لوٹ آئے لیکن موقع پا کر احمد شاہ ابدالی کے ایک فرمان کو ٹھکرایا اور ۱۷۵۸ء میں احمد شاہ ابدالی نے قلات پر حملہ کر دیا۔ ناکام ہو کر صلح پر آمادہ ہوا۔ دونوں کے مابین معاہدہ ہوا جو "صلح نامہ قلات" کے نام سے مشہور ہے۔

کیچ پر دوبارہ حملہ

احمد شاہ ابدالی سے نمٹنے کے بعد میر نصیر خان نے دوبارہ کیچ پر حملہ کیا۔ میر شیخ عمر ولد ملک دینار ناصر آباد بھاگ گیا اور قلعہ بند ہو گیا۔ کیچ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد میر نصیر خان نے ناصر آباد پر حملہ کیا۔ خونریز لڑائی کے بعد شیخ عمر گرفتار ہو گیا اس کے ساتھ دوسرے سردار بھی گرفتار ہوئے۔ کئی ذکری مارے گئے۔ میر نصیر خان کا بھی کافی جانی نقصان ہوا۔ میر نصیر خان نے کیچ کے قلعہ میں اپنا نائب مقرر کر کے قیدیوں کو ساتھ لے کر قلات لوٹے۔